دارالافتاء

مولانا عبدالرحمان کیلانی

بینکوں کے شراکتی کھاتے

عبدالغفار صاحب، لیاقت کالونی حیدرآباد (سندھ) سے لکھتے ہیں:

"کچھ عرصہ پہلے ہمارے ملک میں سودی نظام بینکوں میں رائج تھا۔ اس سودی نظام کو تبدیل کیا گیا اور اس نظام کی جگہ بلاسودی نظام یعنی نفع و نقصان کے شراکتی کھاتہ نے لے لی ہے۔ اب آپ اس بات کی وضاحت کر دیں کہ اس سودی اور بلاسودی بینکاری میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ یعنی نفع و نقصان شراکتی کھاتہ بھی سود کی ایک شکل ہے یا یہ ایک سُود سے پاک نظام ہے؟ اس بات کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں کیجئے، مہربانی ہو گی۔ والسلام!"

جواب:

اس سوال کے جواب میں ہم چند حقائق بیان کر دیتے ہیں جس سے ہر شخص از خود یہ نتیجہ نکال سکے گا کہ بینکوں سے سود ختم ہوا ہے یا ابھی صرف اس نے ایک نیا بھیس ہی بدلا ہے؟ اس سلسلہ میں صدرِ مملکت کے اعلان کے نتیجہ میں:

۱۔ یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو بینکوں میں شراکتی کھاتے کھولے گئے اور بتلایا گیا کہ ان کھاتوں میں نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کی جائے گی۔ تاہم ہر شخص اس معاملہ میں آزاد تھا کہ وہ اپنا حساب بچت کھاتوں میں کھولے یا میعادی کھاتوں میں یا شراکتی کھاتوں میں۔ گویا بینکوں میں بیک وقت سودی کاروبار بھی جاری تھا اور شراکتی بھی۔

۲۔ پھر چار سال بعد یکم جنوری ۱۹۸۵ء کو تمام بینکوں کے لیے لازم قرار دیا گیا تھا کہ وہ فیڈرل حکومت، صوبائی حکومتوں، قومیائے ہوئے یا سرکاری تجارتی اداروں کو تمام سرمایہ صرف انہی بنیادوں پر مہیا کریں گے جو سٹیٹ بینک نے سود کے متبادل راستہ کے طور پر منظور کی ہیں۔

۳۔ یکم اپریل ۱۹۸۵ء کو یہ شرائط تمام غیر سرکاری یا نجی تجارتی اداروں اور عام افراد کے لیے بھی لازم قرار دی گئیں۔

۴۔ یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو یہ اعلان کیا گیا کہ بینک کوئی بھی امانت یعنی خواہ بچت کھاتوں سے تعلق رکھتی ہو یا میعادی کھاتوں سے، سود کی شرائط پر نہیں رکھ سکیں گے۔ اس طرح گویا ہر نئے کھاتہ کھولنے والے کے اس اختیار کو ختم کر دیا گیا کہ وہ چاہے تو سودی کھاتوں میں حساب رکھے اور چاہے تو شراکتی کھاتوں میں۔ اس طرح گویا بینکوں کو سود سے پاک کر دیا گیا۔

پھر بینکوں کی طرف سے کچھ ایسے اقدامات بھی کئے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کو فی الواقعہ "بینک بدر" کر دیا گیا ہے۔ مثلاً:

(۱) بینکوں کے کاغذات میں باقاعدہ اشیاء کی خرید و فروخت کے اندراجات کا اہتمام کیا گیا۔

(ب) بینک پہلے ایک مقررہ شرح پر رقوم لوگوں سے لیتے تھے۔ مگر اب چھ ماہ بعد باقاعدہ شرح منافع کا اعلان کیا جاتا ہے۔

(ج) بینکوں کی یہ شرح منافع بھی الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً اگر حبیب بینک $8\frac{1}{4}$٪ شرح منافع کا اعلان کرتا ہے تو کوئی دوسرا بینک $7\frac{3}{4}$٪ کا اعلان کرتا ہے۔

ان تمام اقدامات اور اعلانات سے ایک عام شخص یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہے کہ بینکوں میں اب سودی کاروبار نہیں رہا۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ابھی یہ منزل بہت دور ہے۔ آج کے دور میں بینک فی الواقعہ ایک مفید ادارہ ہے۔ جو بعض ایسے مفید کام بھی کرتا ہے جن میں سود کا شائبہ تک نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ کام معمولی کمیشن یا فیس کی بنیاد پر کرتا ہے۔ مثلاً ترسیل زر۔ خواہ وہ بینک ڈرافٹ کی شکل میں ہو یا ٹیلیگراف ٹرانسفر کی شکل میں یا میل ٹرانسفر کی شکل میں۔ یا مسافر چیک یا امانتوں کے لیے لاکرز کا اہتمام وغیرہ وغیرہ۔ مگر بینکوں کا اصل کام سرمایہ کاری ہے۔ اور ہر بینک کا نصف سے زیادہ سرمایہ اسی کام میں لگا رہتا ہے۔ کیونکہ یہی کام زیادہ منافع بخش ہوتا ہے۔ بینک ایک طرف سے کم شرح سود مثلاً ۸٪ پر لوگوں سے بچتیں وصول کرتے اور دوسری طرف زیادہ شرح سود مثلاً ۱۴٪ پر صنعت کاروں، تاجروں اور زمینداروں

وغیرہ کو سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ اور اس طرح ۶٪ سود گویا اپنے محنتانہ کے طور پر وصول کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بینکوں کو چالو کھاتوں کی رقوم سے بھی معقول منافع ہو جاتا ہے۔ جبکہ ایسے کھاتہ داروں کو وہ کچھ ادا نہیں کرتے بلکہ اگر چالو کھاتے میں رقم -/۲۰۰۰ سے کم ہو تو -/۱۰ ششماہی محنتانہ کے طور پر وصول کرتے ہیں۔

لیکن اسلام نے سود کے بجائے تجارت کی راہ دکھلائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰو - الاٰية!" (البقرۃ: ۲۷۵)

"اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔"

اب تجارت کی عام شکلیں یہ ہیں:

۱۔ ایک شخص مثلاً زید اپنے ہی پیسہ سے اپنا کاروبار چلاتا ہے۔ اس صورت میں سرمایہ کاری کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔

۲۔ زید کاروبار کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس سرمایہ نہیں۔ سرمایہ کوئی دوسرا فریق لگاتا ہے۔ جسے شرعی اصطلاح میں "ربّ المال" کہتے ہیں۔ اس طرح کا کاروبار "مضاربت" یا "مقارضت" کہلاتا ہے۔ اور زید کی حیثیت "مُضارِب" کی ہے۔ اسے "مدیون" یا "اجیر" بھی کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ زید اپنا کاروبار کر رہا ہے۔ لیکن اسے اس کاروبار میں اپنے سرمایہ کے علاوہ مزید سرمایہ بھی درکار ہے۔ لہٰذا وہ مزید سرمایہ کسی دوسرے فریق سے حاصل کرتا ہے یا اسے بھی ساتھ ملا لیتا ہے۔ اور وہ مل کر کاروبار کرتے ہیں۔ یہ صورت "شراکت" یا "مشارکت" یا "شرکت" کہلاتی ہے۔ اور ان میں سے ہر کوئی "شریک" کہلاتا ہے۔ گویا تجارت کی دوسری اور تیسری شکل یعنی مضاربت یا مشارکت کی صورت میں سرمایہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جس کے لیے بسا اوقات بینکوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارے مرکزی بینک یا سٹیٹ بینک آف پاکستان نے سود کے متبادل راستہ یعنی مضاربت اور شراکت کے لیے وہ کونسی بنیادیں فراہم کی ہیں، جن کے مطابق بینک حکومت اور دوسرے تجارتی اداروں کو سرمایہ فراہم کر رہے ہیں:

شرح سود اور مارک اپ:

مرکزی بینک نے شرح سود کے بجائے سب سے بڑی بنیاد جو فراہم کی ہے۔ وہ

"مارک اپ" (کی اصطلاح ہے۔ شرح سود اور "مارک اپ" کا تقابلی جائزہ یہ ہے کہ:

(ا) شرح سود تو بینک مقرر کرتا ہے۔ لیکن "مارک اپ" مضارب اور ربّ المال یا زید اور بینک کے باہمی سمجھوتہ سے طے پاتی ہے۔

(ب) شرح سود فی صد سالانہ ہوتی ہے جبکہ "مارک اپ" فی ہزار یومیہ کے حساب سے طے کی جاتی ہے۔ مثلاً آج کل بینک اپنے پرانے قرضداروں سے ۱۶ فیصد یا ۱۵ فی صد کے حساب سے سود وصول نہیں کرتے، بلکہ ۴۳ پیسے فی یوم فی ہزار کے حساب سے "مارک اپ" یا منافع وصول کر رہے ہیں، اور یہ ۱۵٫۷ فیصد شرح سود بنتی ہے۔

(ج) شرح سود ہو یا مارک اپ، دونوں ابتداہی میں طے کر لی جاتی ہیں۔

جبکہ سود اور اسلامی نظریہ تجارت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ:

۱۔ مضاربت کی صورت میں اگر نقصان ہو جائے، تو نقصان سرمایہ دار یا ربّ المال پر پڑتا ہے اور مضارب کی محنت ضائع جاتی ہے۔ گویا اسلام سرمایہ کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتا، کہ نقصان کی صورت میں مضارب بھی نقصان میں شریک ہو۔ اس کے لیے اتنا ہی نقصان کافی ہے کہ اس کی محنت ضائع ہو گئی۔

۲۔ شراکت کی شکل میں اگر نقصان ہو جائے تو جو نسبت آپس میں منافع کی طے پائی تھی۔ اسی نسبت سے فریقین نقصان میں بھی شریک ہوں گے۔

اب ہم چند مثالوں سے یہ بات واضح کریں گے کہ آیا مرکزی بینک کی فراہم کی ہوئی بنیادی اسلامی نظریہ تجارت کے تقاضے پورے کرتی ہیں، یا یہ سود ہی کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں؟

مضاربت:

فرض کیجئے کہ زید کو کپڑے کی تجارت کے لیے بیس ہزار روپے چھ ماہ کے لیے درکار ہیں۔ اور وہ اس غرض کے لیے اپنے بینکر کے پاس جاتا ہے۔ اب بینک اور زید کے درمیان اس کاروبار اور اس کے متوقع منافع پر تبادلہ خیال ہوتا ہے، اور ان کا اندازہ یہ ہے کہ اس سے بیس فی صد منافع ہوگا اور منافع ۲:۳ کی نسبت سے طے پاتا ہے یعنی زید یا مضارب کو ۲/۵ منافع ہوگا اور بینک یا ربّ المال کو ۳/۵۔ اس طرح بیس ہزار پر ۵ ہزار روپے

منافع میں سے ۲ ہزار زید کے اور ۳ ہزار بینک کے ہوں گے (یہ بات یاد رکھئے کہ بینک کو اگر مروجہ شرح سود سے کم منافع نظر آتا ہو تو وہ ایسا معاہدہ ہرگز نہیں کرے گا) اب اس منافع کو "مارک اَپ" کی شکل میں ڈھالا جائے گا۔ جو تقریباً وہی ۴۳ پیسے فی دن فی ہزار بنتی ہے۔ جب یہ سمجھوتہ طے پا جائے گا تو بینک زید سے ۲۰ ہزار روپے کا مال خرید ے گا (جو زید پہلے بازار سے خود خریدے گا۔ پھر بینک کے ہاتھ فروخت کرے گا) پھر اسی وقت یا اس سے ایک آدھ دن بعد وہ مال بینک مقررہ مدت تک کے لیے "مارک اپ" ساتھ شامل کر کے (یعنی بمعہ منافع) زید یا مضارب کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ بعد ازاں زید مقررہ مدت کے اندر اندر، بالاقساط اصل بمعہ مارک اپ کے بینک کو واپس ادا کر دے گا۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر زید مقررہ مدت کے اندر اندر اصل بمعہ مارک اپ ادا نہ کرے یا نہ کر سکے تو پھر کیا صورت ہو گی؟ ایسی صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے بینک مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کرتا ہے:

۱۔ بینک صرف اس شخص کو قرضہ دینا منظور کرتا ہے جس کی اس بینک سے پہلے سے ڈیلنگ ہو اور وہ اس کی نظروں میں قابلِ اعتماد ہو۔

۲۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ زید ہے تو فی الواقعہ قابلِ اعتماد مگر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے وہ بروقت رقم بینک کو ادا نہیں کر سکا۔ تو اس کا حل مرکزی بینک نے یہ سوچا ہے کہ وہ ۲۱۰ دن کا زائد مارک اپ بھی قیمت میں شامل کر دیتا ہے۔ اب اگر زید مقررہ میعاد کے اندر اصل زر بمعہ منافع واپس کر دیتا ہے تو یہ ۲۱۰ دن (سات ماہ) کا مارک اپ رعایت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر زید چھ ماہ کے بجائے ۸ ماہ میں کل رقم ادا کر پاتا ہے، تو اس کو پانچ ماہ یا ۱۵۰ دن کا مارک اپ بطورِ رعایت چھوڑا جائے گا۔ اس طرح کاغذی اور قانونی کارروائی بھی پوری کر دی جاتی ہے۔ اور بینک ایسے خطرہ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ اور آخری صورت یہ ہے کہ زید ان مزید ۲۱۰ دنوں تک بھی کل رقم ادا نہیں کر سکا (اور ایسی صورت شاذ ہی ہو سکتی ہے) تو اندریں صورت بینک مزید مارک اپ لگانے کا مجاز نہیں ہو گا۔ بالفاظِ دیگر سُود اب لامتناہی عرصہ کے لیے بڑھتا نہیں چلا جائے گا۔ اب بقایا رقم جو زید کے ذمہ رہ گئی ہے، بینک اس کے لیے زید کو مزید مدت بلا سود

کی اجازت بھی دے سکتا ہے۔ چاہے تو اس معاملہ کو بینک ٹربیونل میں بھی لے جا سکتا ہے اور چاہے تو اسے ڈوبا ہوا قرضہ قرار دے کر بینک کے منافع سے بطورِ نقصان وضع بھی کر سکتا ہے۔ لیکن کسی اتفاقی حادثہ کی بنا پر کسی قابلِ اعتماد انسان کا بقایا قرضہ معاف کر دینا غالباً بینک کے کسی قانون میں نہیں ہے۔

مارک ڈاؤن

سود کو "بینک بدر" کرنے کے لیے جس طرح مرکزی بینک نے "مارک اپ" کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ اسی طرح منی کاٹا یا کی جگہ "مارک ڈاؤن" کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ جس کی ضرورت "تجارتی ہنڈیوں" یا پرامیسری نوٹ یا دیگر سرکاری وثائق کی صورت میں پیش آتی ہے۔ یہ تجارتی ہنڈیاں کیا چیز ہیں؟ بس انہیں ایک لحاظ سے پوسٹ ڈیٹ چیک ہی سمجھ لیجئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پوسٹ ڈیٹ چیک ایک عام آدمی دوسرے عام آدمی کے نام لکھتا ہے، جبکہ ایسی ہنڈیاں اور وثائق بینک یا قابلِ اعتماد اداروں کی طرف سے جاری کئے جاتے ہیں، جن کے کیش نہ ہونے (DISHONOUR) کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اب مسئلہ صرف دو تین ماہ کی مدت کا رہ جاتا ہے۔ پہلے بینک ایسی ہنڈیوں وغیرہ کو فوری طور پر بدیں صورت کیش کر دیتے تھے کہ مقررہ شرح سود کے مطابق مدت کے لحاظ سے کٹوتی کر لیا کرتے تھے، مگر اب کٹوتی یا (DISCOUNT) شرح سود کی بنیاد پر نہیں کرتے بلکہ مارک ڈاؤن کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

جائداد یا مشینری وغیرہ کی خرید و فروخت

فرض کیجئے کہ وہی زید جو بینک کے نزدیک قابلِ اعتماد آدمی ہے، مشینری کی خرید کے لیے بینک سے پچاس ہزار روپے قرضہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اب بینک یہ کرے گا کہ اس رقم کے عوض مشینری خود زید سے خرید لے گا۔ اس پر متوقع منافع کا اندازہ کر کے "مارک اپ" لگا کر زید سے یہ "مارک اپ" بطورِ کرایہ ہر ماہ وصول کرتا رہے گا۔ اور اگر زید مقررہ مدت کے اندر اصل زر مع مارک اپ بالاقساط ادا نہیں کر سکا، تو بینک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ مشینری کو فروخت کر کے اپنا سب کچھ کھرا کر لے، باقی جو کچھ بچے گا وہ زید کا ہوگا۔ بینک کو مشینری کے حصول، اخراجاتِ حصول، حصول کے دوران تلفی کا خطرہ، اس کی نگہداشت اور وقت سے پہلے ناکارہ ہونے کی چنداں فکر نہیں ہوتی، وہ ایسے تمام خطرات کی ذمہ داری

زید پر ڈال دیتا ہے اور خود کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ مضاربت کی اس شکل کو اسلامی نظریہ بیع سے کس قدر تعلق ہے؟ یہ شکل تو خالص رہن کی ہے۔

اسی طرح اگر زید کوئی بھی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ خرید نا چاہتا ہے تو اس کی بعینہٖ ایسی ہی صورت ہوگی۔

شراکت

فرض کیجئے کہ زید بنک کو اپنے کاروبار میں شریک بنانا چاہتا ہے بنک کو زید کی مالی حیثیت کا بھی اندازہ ہے اور اس کے قابل اعتماد ہونے کا بھی۔ تو اب بنک اس کاروبار کے فروغ کا جائزہ لے گا اور اگلے پانچ سال کے متوقع منافع کا اندازہ بھی لگائے گا ـــــ اگر یہ اندازہ موجودہ شرح سود سے کچھ زیادہ ہوگا تو بنک کاروبار میں شراکت پر آمادگی کا اظہار کر دے گا اور ہر تین ماہ کے لیے ایک عبوری شرح منافع طے کر کے یہ منافع بنک زید سے ساتھ کے ساتھ وصول کرتا رہے گا۔ سال بعد حساب کرنے پر اگر منافع عبوری منافع سے زائد نکلے تو بنک یہ مزید منافع لے بھی سکتا ہے، اس زائد منافع سے ریزرو فنڈ بھی قائم کر سکتا ہے اور چاہے تو ازراہِ احسان یہ زائد منافع چھوڑ بھی سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ حقیقی منافع عبوری منافع سے کم نکلے تو بنکوں کی حالیہ ترمیم کے مطابق:

۱۔ بنک عبوری شرح منافع کے حساب سے اپنا حصہ پورا وصول کرے گا۔ پھر جو کچھ منافع بچ رہے گا، وہ زید کا ہوگا۔

۲۔ اور اگر یہ حقیقی منافع سے بھی کم ہو تو سب کچھ بنک لے لے گا اور زید کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ اس جامِ نو میں وہی پرانی شراب ہی نہیں پیش کی جا رہی؟

ہم سمجھتے ہیں کہ چند ایک امور میں سود کو ختم کرنے کی صحیح سمت بھی اختیار کی گئی ہے۔ مثلاً ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن یا دوسرے بنکوں کی کرایہ میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی، یا مثلاً جو ملازم اپنے پراویڈنٹ فنڈ پر سود لینا گوارا نہیں کرتا اسے بوقت ضرورت اس کے جمع شدہ پراویڈنٹ کا ۸۰٪ تک بطور قرض حسنہ مل جاتا ہے، جسے وہ بعد میں بالاقساط اپنی تنخواہ میں سے وضع کرواتا رہتا ہے۔ مگر یہ چند باتیں مستثنیات میں شمار ہوں گی۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ آیا بنکوں میں فی الواقعہ سود کے بجائے تجارتی بنیادوں پر

کام شروع ہو چکا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔

بینکوں سے سود کے خاتمہ کی اس سست رفتاری (بلکہ حقیقتاً ناکامی) کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ بینکوں میں موجودہ سودی نظام کئی صدیوں سے اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچا ہے۔ اب اگر ہم پوری خلوصِ نیت سے سود کو ختم کرنا چاہیں بھی تو یہ چند سالوں کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہے۔ آغازِ سفر اگر ہو چکا ہے تو کسی نہ کسی وقت صحیح منزل بھی سامنے آ ہی جائے گی۔

ہمارے خیال میں یہ جواب درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے بینک اپنے بنیادی ڈھانچہ کے لحاظ سے مالیاتی توسط کے ادارے ہیں، تجارتی ادارے نہیں ہیں۔ وہ اپنا حق المحنت سود یا یقینی منافع کی شکل میں وصول کرتے ہیں، لیکن کاروباری خطرات کی ذمہ داری کسی قیمت پر لینا گوارا نہیں کرتے۔ اور یہی بات سود اور تجارت کا بنیادی فرق ہے۔ لہٰذا جب تک بینک ذہنی طور پر اس بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی گوارا نہ کریں گے، سود کے خاتمہ کے لیے جو تجاویز بھی سامنے لائیں گے یا جو کچھ بھی اقدامات کریں گے، سود اپنی نئی نئی شکلوں میں جلوہ گری کرتا رہے گا۔ ہمیں نہ حکومت کے اعلانات سے کچھ بدظنی ہے، نہ ہی ہم مرکزی بینک کی فراہم کردہ بنیادوں کو نیت کے فتور پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہمارے خیال کے مطابق اصل خرابی یہ ہے کہ جب تک بینک مالیاتی ایجنٹ کے بجائے شریک یا مضارب کی صحیح صحیح شکل میں سامنے نہیں آئیں گے اور ہر طرح کے کاروباری نفع و نقصان کی ذمہ داریوں کو قبول نہیں کریں گے، بنکوں سے سُود کا خاتمہ ناممکن ہوگا۔

رَدِّ تقلید اور

حجّیتِ حَدیْث

حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے پر

شیخ ناصر الدین البانی کی مایہ ناز کتاب

ضخامت — ترجمہ — قیمت

۸۸ صفحات حافظ عبدالرشید اظہر ۹ روپے صرف

ناشر: ادارہ محمدیہ ۹۹ جے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور